تصوف ادیان و مذاہب کے درمیان گفتگو کا بہترین وسیلہ: مرزا مظہر جان جاناں

ڈاکٹر محمد تعظیم
جامعہ ملیہ اسلامیہ

۱۸ ویں صدی ہندوستان کی تاریخ میں ایک لحاظ سے غیر معمولی صدی کہی جاسکتی ہے۔ اس زمانے میں ایک طرف جہاں مغل حکومت اپنی آخری سانسیں لے رہی تھی وہیں ہندوستان میں سکھ، مرہٹے، افغان، جاٹ اور یوروپی طاقتیں مغلوں کے خلاف اپنی طاقت مستحکم کرنے کی جدوجہد میں مصروف اور آپس میں برسرپیکار تھیں۔ اس صدی میں کئی اہم شخصیات بھی پیدا ہوئیں۔ جنھوں نے ہندوستانی سماج پر اپنے گہرے نقوش مرتب کئے۔ ان میں ملا نظام الدین سہالوی بانی درس نظامی، شاہ ولی اللہ دہلوی، مرزا مظہر جان جاناں وغیرہ غیر معمولی اہمیت کی حامل شخصیات ہیں۔ جو اپنے اپنے طور پر بالخصوص مسلمانوں اور بالعموم ہندوستان کی مشترک اقدار کا احیاء کرتی نظر آتی ہیں۔ اور یہ تینوں ہی شخصیات دامن تصوف سے وابستہ رہیں۔ شاہ ولی اللہ نے جہاں مسلمانوں کے مختلف ممالک کے درمیان تطبیق کی وہیں ملا نظام الدین سہالوی نے ایک ایسا نصاب ترتیب دیا جو مذہبی ہونے کے ساتھ ساتھ بقول شیخ محمد اکرام ایک سیکولر نصاب تھا اور ان کے مدرسہ فرنگی محل میں سنی وشیعہ مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ہندو حضرات بھی تعلیم حاصل کرتے تھے۔

مرزا مظہر جان جاناں کی ولادت ۱۶۹۹ میں ہوئی ان کے والد کا نام مرزا جان تھا جن کا تعلق اورنگ زیب کے طبقہ امراء سے تھا۔ مرزا مظہر کی وفات ۱۷۸۰ میں ہوئی۔ آپ کے ہندو حضرات سے بھی مخلصانہ تعلقات تھے[۱] جن کی زندگی شعرو ادب اور تصوف کے لئے وقف تھی۔ غیر معمولی نازک مزاجی اور دل گداختگی کے باوجود مرزا صاحب دقیقہ رسی، علمیت، مذاق سلیم، انصاف پسندی اور تصوف میں یگانہ روزگار تھے[۲]۔ مرزا مظہر جان جاناں ہندوستان میں نقشبندیہ سلسلے کے آخری

۱۔ مقامات مظہری، ص۔ ۱۳۷،

۲۔ رود کوثر ص۔ ۶۴۵

بڑے صوفی ہیں۔ آپ کے مکتوبات جو آپ نے اپنے مریدین واحباب کو تحریر کئے ہیں ان میں بعض مکتوبات میں آپ نے صوفیانہ وشرعی مسائل کی توضیح کی چنانچہ ان کے بعض خطوط سے اس دور کی بدنظمی اور سیاسی اتھل پتھل کے ساتھ تمدنی زندگی کی تفصیلات کا علم ہوتا ہے۔ آپ نے اپنے ایک طویل مکتوب میں ہندوؤں کے آئین ومذہب کے بارے میں اپنی رائے تحریر کی ہے۔[۳] اس مسئلے پر ایسا تفصیلی اظہار کسی مسلم بزرگ نے شاید ہی اس دور تک تحریر کیا ہو۔ اس مکتوب کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ ممالک ہند میں انبیاء ورسل علیہم السلام بھیجے گئے۔

۲۔ یہ دین (ہندومت) پہلے ایک مرتب دین تھا اب منسوخ ہوگیا۔

۳۔ شرع اکثر انبیاء کے احوال میں خاموش ہے۔ اس لئے ہندوستان کے انبیاء کے حق میں خاموشی ہی بہتر نہ ہمارے لئے ان کی پیروی کرنے والوں کے لئے کفر وہلاکت کا یقین لازم ہے اور نہ ہی ان کی نجات کا یقین ہمارے لئے واجب ہے۔

۴۔ ہندوؤں کا سجدہ، سجدۂ تحیت ہے نہ کہ عبودیت کیونکہ ان کے مذہب میں ماں باپ، پیر اور استاد کو سلام کے بجائے یہی سجدہ کیا جاتا ہے۔

۵۔ تناسخ پر اعتقاد رکھنے سے کفر لازم نہیں آتا ہے۔

۶۔ متاخرین نے ہندومت میں جو تصرفات کئے ہیں وہ ساقط الاعتبار ہیں۔

مرزا مظہر جان جاناں کے ہندومت کے تئیں نظریات پر بحث سے قبل ضروری ہے کہ ان حالات وعوامل کا جائزہ لیا جائے جنہوں نے اٹھارہویں صدی کے ہندوستان میں ایسا ماحول بنانے میں مدد کی ایک نقشبندی صوفی ان خیالات کا اظہار کرنے پر آمادہ ہوا۔

ہندوستان میں اسلام کی شناسائی عرب تاجروں کے ذریعہ ہوئی جو ہندوستان کے مالا بار اور کونکن کے ساحلی شہروں سے قبل اسلام سے ہی تجارت کرتے چلے آرہے تھے۔ سیاسی طور پر محمد بن قاسم کے ذریعہ فتح سندھ کے ساتھ ہوئی جو اموی سلطنت اور بعد میں عباسی سلطنت کا ایک حصہ بنا۔ وسطی ایشیا میں علاقائی ریاستوں کے قیام کے بعد محمود غزنوی نے پنجاب وسندھ کے علاقوں کو فتح کر کے غزنوی سلطنت کا حصہ بنایا اور لاہور کو اپنا پایۂ تخت۔ محمد غوری نے ۱۱۹۲ میں شمالی ہند کو فتح کر کے ہندوستان میں مسلم سلطنت کی بنیاد ڈالدی۔ ہندوستان سے مسلمانوں کا رشتہ ابتدائے اسلام سے چلا آرہا تھا

۳۔ مقامات مظہری ص ۱۹۷، ۱۲۸

یہی وجہ تھی کہ شمالی ہند میں متعدد شہروں میں مسلمان سکونت پزیر تھے۔ ان میں بہت سے شہر جیسے لاہور، ملتان، بدایوں، اجمیر وغیرہ صوفیاء کے مسکن اور میدان عمل کے طور پر سامنے آئے اور پھر آہستہ آہستہ ہندوستان کے تمام بڑے شہروں یہاں تک کہ دیہات وقصبات میں بھی صوفیاء کی خانقاہیں بنتی چلی گئیں۔ جہاں رشد و ہدایت کے ذریعہ بلا لحاظ مذہب وملت اور مسلک اصلاح ہورہی تھی۔ اور جہاں صوفیاء "الخلق عیال اللہ" کے تصور کے ساتھ اسلام کا بین الاقوامی تصور پیش کررہے تھے۔

جہاں تک صوفی کا تعلق ہے حضرت شیخ علی ہجویری لکھتے ہیں "صوفی جس کا دل بشری کدورتوں اور مادی آلائشوں سے پاک ہو۔ جب کلام کرے تو حقائق ومعارف کے موتی اس کے منہ سے جھڑیں اور جب خاموش رہے تو اس کی خاموشی سے سچی درویشی ظاہر ہو۔ ۴ کیونکہ "تصوف نفسانی لزتوں کو چھوڑ دینے کا نام ہے۔ یہ حق تعالیٰ کی صفت ہے جس سے بندہ بقا پاتا ہے۔ تصوف نیک خصلت کا نام ہے جو شخص جس قدر بھی اچھے اخلاق رکھتا ہے وہ سب سے بہتر صوفی ہے ۵۔ حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں" تصوف کی بنیاد آٹھ خصلتوں پر مبنی ہے جن سے آٹھ پیغمبروں کی پیروی ہوتی ہے:

۱۔ سخاوت حضرت ابراہیمؑ کی اقتداء ہے۔

۲۔ رضا حضرت اسمٰعیلؑ کی اقتداء ہے۔

۳۔ صبر حضرت ایوبؑ کی اقتداء ہے۔

۴۔ اشارات حضرت ذکریاؑ کی اقتداء ہے۔

۵۔ غربت حضرت یحییٰ کی اقتداء ہے۔

۶۔ لباس حضرت موسیٰ کی اقتداء ہے۔

۷۔ سیاحت حضرت عیسیٰ کی اقتداء ہے۔

۸۔ فقر خاتم الانبیاء حضرت محمدؐ کی اقتداء کا نام ہے اور یہ اصول عمل اور بندگی کے لئے بہت اچھے ہیں ۶ اور قرآن کریم کا ارشاد ہے" خاص بندگان الٰہی وہ ہیں جو زمین پر جھک کر چلتے ہیں اور جب جاہل انھیں چھیڑیں تو وہ بجائے جواب کے ان سے کہہ دیتے ہیں کہ اچھا خوش رہو۔ ۷

در اصل محبت ہی راز حیات ہے اور اس کی آگ اگر دل میں نہ ہوتو وہ گوشت کا ایک بے جان

۴۔ کشف المحجوب ص۔ ۳۸۵، ۴۳،

۵۔ کشف المحجوب ص۔ ۳۸۵، ۴۹

۶۔ کشف المحجوب ص۔ ۴۵،

۷۔ القرآن مدرہ الفرقان آیت ص ۶۳

ٹکڑا ہے ۔محبت کے معنی یہ ہے کہ انسانی زندگی سمٹ کر ایک نقطہ پر آجائے اور خدا کے لئے جینا مقصد ہو۔فکر وعمل کی بلندی راست بازی ، خدمت خلق سچائی اور صبر وشکر جیسی خوبیاں اسی جذبے کا نتیجہ ہیں۔ اور قلب انسانی میں یہ صفات خدا کی محبت پیدا ہونے کے بعد پیدا ہوتی ہیں۔ اور پھر مقصد یہ ہوجاتا ہے کہ انسان خود اپنے اندر اچھے اخلاق پیدا کرے اور دیگر لوگوں کو بھی مادی نجاستوں اور آلودگیوں سے پاک وصاف کرے۔ بقول خلیق احمد نظامی'' اور یہ کام صرف وہی شخص کرسکتا ہے جس کا مذہبی وجدان پوری طرح نشو ونما پا چکا ہو، جس کی روح پر اسلامی رنگ چڑھ چکا ہو اور جس کی نگاہ حق وباطل میں امتیاز کرنے میں کبھی دھوکا نہ کھائے۔۸

ہندوستان کی تاریخ میں اعلیٰ اخلاقی وانسانی اقدار کو پروان چڑھانے اور یکجہتی کی راہ ہموار کرنے میں صوفیاء کا حصہ ناقابل فراموش باب کی حیثیت رکھتا ہے ۔ ان خدارسیدہ اور پاکیزہ نفس ولوگوں نے ایک طرف شریعت وطریقت کی آبیاری کی تو دوسری طرف ہندوستانی تہذیب کے تخلیقی عمل میں بھی ایک مثالی واہم کردار ادا کیا۔

دلی سلطنت کے نامور مورخ ضیاء الدین برنی نے ہندوستان میں ہندو اور مسلمان کوتصادم کی قوت تصور کیا اور اس بنیاد پر اس نے ہندوؤں کو واجب القتل قرار دیا ور سلاطین سے شریعت کا اطلاق ان پر کرانا چاہا۔ اس نے ہندوستان کو'' دار السلام'' کی طرح دیکھنے کی کوشش کی۔ ہندوستان میں علماء کے درمیان بحث کا موضوع '' دار الحرب''اور دار السلام'' میں ہندؤں کو کس درجہ کا شہری تصور کیا جائے بنا رہا۔ اس کے بر خلاف صوفیاء نے ہندوستان کو'' دار الامن'' تصور کرتے اور مانتے ہوئے یہاں کے معاشرہ میں کام کیا۔ ہندو اور مسلمان کو انتشار وتصادم کے تناظر میں نہیں دیکھا بلکہ ان لوگوں نے ان دونوں قوتوں کو استحکام کی علامت جانا۔ جس کا نتیجہ تھا کہ اکبر وابو الفضل نے غازیان اسلام ومجاہدان اسلام کی اصطلاح کے بجائے غازیان دولت'' اور مجاہدان دولت'' کے الفاظ سے یاد کیا۔ اکبر اور ابو الفضل کی اس سوچ کی بنیاد در اصل صوفیاء کا یہی کردار وعمل اور فکر رہی ہے۔ اکبر کی صلح کل کی پالیسی کو علماء طبقہ نے ہمیشہ تنقید کا نشانہ بنایا۔ عہد اکبری کے جید عالم وصوفی عبد الحق محدث دہلوی کی اکبر کی'' نام نہاد بدعات'' کے سلسلے میں خاموشی بڑی معنی خیز کہی جاسکتی ہے اور اس خاموشی کو اکبر کی صلح کل کی پالیسی کی خاموش حمایت تصور کیا جاسکتا ہے۔

۸۔ تاریخ مشائخ چشت ص ۲۳

در اصل اسلام نے واضح اعلان کردیا تھا کہ 'لَکُمْ دِینُکُمْ وَلِیَ دِین' تو پھر اختلاف کی گنجائش نہ تھی۔ صوفیاء نے اس حکم کو سمجھتے ہوئے اپنے کردار سے اسلام کی وہ تصویر و تعبیر پیش کی جو اسلام کی روح کے عین مطابق تھی کیونکہ خدا کی صفت ''رحمت اللعالمین'' ہے اور رسولِ خدا کو بھی ''رحمت اللعالمین'' بنا کر بھیجا گیا تھا رحمت المسلمین نہیں۔ صوفیاء نے بھی الخلق العیال اللہ'' کے تصور کے ساتھ معاشرہ میں کام کیا اور ہر طرح کے تعصب سے اپنے آپ کو دور رکھا۔ مخدوم شرف الدین یحیٰ منیری نے واضع رائے دی کہ'' ہر وہ معاملہ جس کا جواز قرآن و سنت میں نہیں ہے جائز ہے۔ ہر وہ خواہش جو شریعت میں نہیں باطل ہے ہر وہ دلیل جو دین کی تائید میں لائی جائے لیکن دینی نہیں محض باطل ہے اور ہر استعانت جو دین کی خاطر کی جائے لیکن دینی نہیں مردود ہے۔۹ ایک اور مکتوب میں اہل اقتدار کو مشورہ دیتے ہوئے مخدوم منیری لکھتے ہیں کہ'' امراء ملوک اصحاب منصب ، ارباب قدرو منزلت کے لئے اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچنے کا سب سے نزدیک راستہ یہ ہے کہ وہ عاجزوں کی دستگیری اور حاجت مندوں کی حاجت روائی کریں ، چنانچہ ایک بزرگ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں پہنچنے کی راہیں تو بہت سی ہیں لیکن سب سے نزدیک راہ دلوں کو راحت پہنچانا ہے۔ ان بزرگ سے کہا گیا ہے کہ جس شہر کے وہ رہنے والے ہیں اس کا بادشاہ شب بیدار ہے نفل نمازیں بہت پڑھتا ہے۔ نفل روزے بھی رکھتا ہے۔ بزرگ نے فرمایا بے چارے نے اپنے کام کو تو کھودیا لیکن دوسروں کے کام میں لگا ہوا ہے۔ لوگوں نے ان بزرگ سے پوچھا کہ آخر اس بادشاہ کا اپنا کام کیا ہے تو فرمایا ! اس کا کام تو یہ ہے کہ طرح طرح کے کھانے پکوائے اور بھوکوں کو پیٹ بھر کر کھلوائے۔ طرح طرح کے کپڑے سلوائے اور ننگوں کو پہنوائے اجڑے ہوئے دلوں کو آباد کرے۔ حاجتمندوں کی دستگیری کرے۔ نفل نماز وروزے تو درویشوں کا کام ہے۔'' ۱۰ شاہ ہمدان میر سید علی ہمدانی کا بھی یہی یقین اور تلقین ہے۔ وہ ذخیرہ الملوک میں لکھتے ہیں۔'' خدا کی نعمت کافر اور مومن پر برابر ہے۔ ایسا ہی عدل اور احسان نیک و بد کے لئے مساوات پر ہونا چاہئے۔ ۱۱ وہ مزید لکھتے ہیں'' بادشاہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ عوام پر وہی احکام نافذ کرے جن کا نفاذ وہ اپنے اوپر کرسکتا ہو۔ ۱۲ مخدوم یحیٰ منیری کہتے ہیں اس دنیا میں قلم زبان مال وجاہ سے جہاں تک ممکن ہو محتاجوں کو راحت پہنچاؤ۔

۹۔ بزم صوفیہ ص ۴۲۱ معدن المعانی ص ۲۵۵ ،
۱۰۔ بزم صوفیہ ص، ۴۲۲۔۴۲۱ مکتوبات ص۔ ۳۸۹،
۱۱۔ ذخیرۃ الملوک ص ۱۸۷،
۱۲۔ ذخیرۃ الملوک ص۔ ۱۸۱،

صوم وصلوٰۃ ونوافل اپنی جگہ اچھی ضرور ہیں لیکن دلوں کو راحت پہنچانے سے زیادہ سود مند نہیں ۱۳؎ میر سید علی ہمدانی لکھتے ہیں'' مسلمان وہ ہے جس سے مسلمان محفوظ رہے اور مومن وہ ہے جس سے تمام مخلوق خدا محفوظ ومامون رہے۔ ۱۴؎

واقعہ یہ ہے کہ ہندو مسلم اختلاط کا عمل قیام سلطنت سے ہی شروع ہوگیا تھا۔ جس میں صوفی اور ان کی خانقاہوں نے اہم کردار ادا کیا ان صوفیاء کی خانقاہوں کے دروازے سے بلالحاظ زبان رنگ ونسل مذہب ومسلک ہر ایک کے لئے کھلے تھے اور جہاں کوئی تفریق نہ تھی حسن سجزی لکھتے ہیں کہ ''شیخ نظام الدین اولیاء کی خانقاہ میں ہندو جوگی آتے تھے اور بیباکی کے ساتھ شیخ سے مذاکرے کیا کرتے تھے ۱۵؎ فوائد الفواد میں مرقوم ہے کہ بابافرید کی خانقاہ میں ہندو یوگی مستقل آتے تھے۔ حضرت نظام الدین اولیاء نے بھی ایک دفعہ ہندو یوگی سے، جو ماہر علم نجوم بھی تھا۔ اپنے مستقبل کے بارے میں جاننے کی کوشش کی تھی۔ ۱۶؎ صوفیاء اور یوگیوں کے درمیان مذاکرے عام بات تھی۔ ۱۷؎ اس زمانے میں بہت سے شہر صوفیاء ودانشوروں اور علماء کے مرکز بن گئے تھے جہاں مشترکہ اقدار جنم لے رہی تھیں۔ دہلی میں یہ بحث ہورہی تھی کہ کافر اور کبیرہ گناہ کرنے والے (یکساں) ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہیں گے یا نہیں۔ جو ایک معتزلی نظریہ ہے۔ حضرت نظام الدین اولیاء اس کی نفی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اشعریہ مذہب میں آیا ہے کہ جو کافر اپنے خاتمے کے وقت ایمان پر ہو اس کا حال مومنوں کا سا رہے گا اور وہ مومن جس کا خاتمہ بخدا کفر پر ہو اس کا حال کافر کا حال ہے۔'' اس سلسلے میں مزید کہا کہ'' خواجہ حمید الدین سوالی نے ناگور میں ایک ہندو کے بارے میں بار بار یہ بات کہی کہ یہ خدا کا ولی ہے۔ ۱۸؎ ظاہر ہے یہ سوچ اس بات کی غماز تھی کہ ان صوفیا نے ہندوستان میں ہندو اور مسلمان اقوام کو انتشار اور تصادم کے تناظر میں نہیں دیکھا بلکہ صوفیاء کو علم تھا کہ ہندو قوم ایک خدا پر یقین وتصور رکھتی ہے اور اس یقین وتصور نے ہی ہندو یوگیوں اور مسلم صوفیاء کو قربت بخشی اور نتیجے کے طور پر گرو نانگ اور کبیر جیسی شخصیات سامنے آئیں اور ان سب نے مل کر معاشرے میں موجود خلیج کو پاٹنے کی کوشش کی اور پھر حالت یہ ہوگئی تھی کہ ایک ہندو برہمن مسلمانوں کو اسلامی علوم کا درس دیتا تھا ۱۹؎ بقول حسن سجزی ایک ہندو کلمہ پڑھتا تھا اور خدا کی وحدانیت اور رسولوں کی رسالت کا قائل تھا۔

۱۳۔ بزم صوفیہ ص ۴۲۴، ۱۴۔ ذخیرۃ الملوک ص ۴۳، ۱۵۔ فوائد الفواد ص ۱۴۴،
۱۶۔ فوائد الفواد ص ۱۴۴، ۱۷۔ فوائد الفواد ص ۱۵۳، ۸۴، ۱۸۔ فوائد الفواد ص ۱۱۸، ۱۹۔ بدایونی جلد ۱ ۔ ۳۲۳،

حسن سجزی نے حضرت نظام الدین اولیاء سے دریافت کیا کہ اس کی عاقبت کیسی ہوگی تو جواب ملا کہ حق تعالیٰ اس کے بارے میں جو بھی فیصلہ فرمائے، چاہے تو معاف کردے چاہے عذاب دے۔۲۰

شیخ عبد القدوس گنگوہی لکھتے ہیں'' یہ کیسا شور اور غوغا پھیلا دیا گیا ہے کہ کوئی مومن ہے کوئی کافر کوئی مطیع ہے کوئی گناہگار کوئی صحیح راہ پر اور کوئی بے راہ، کوئی مسلم کوئی پارسا کوئی ملحد، کوئی ترسا (سچ تو یہ ہے) کہ سب ایک ہی لڑی میں پروئے ہوئے ہیں۲۱ ظاہر ہے کہ یہ سوچ وفکر اسی مشترکہ اقدار کی دین تھی مشترکہ تہذیب کے بڑے نمائندہ اور حضرت نظام الدین اولیاء کے مرید خاص امیر خسرو سے سلطان المشائخ نے ہندی زبان میں بھی شعر کہنے کی تلقین کی تاکہ مسلمان ہندوؤں کی عام بول چال کی طرف راغب ہوں اور اجنبیت ودوری کا احساس مٹ جائے۲۲ صوفی حمید الدین ناگوری سوالی اپنے گھر میں ہندوی زبان میں ہی بات چیت کیا کرتے تھے اور جب ہندو حضرات ان سے ملاقات کے لئے آتے تو موصوف ان سے ہندوی زبان میں ہی گفتگو فرمایا کرتے تھے ۲۳ حضرت بندہ نواز گیسو دراز سنسکرت زبان سے اچھی طرح واقف تھے ۲۴ گیسو دراز ہندوؤں کی کسی بھی قیمت پر تذلیل برداشت نہ کرتے تھے ۲۵ درویشوں کی بھی مجالس میں تبخانوں کا تذکرہ احترام سے کیا جاتا تھا اور بت خانوں میں صوفیا کرام کا نام عزت سے لیا جاتا تھا۔۲۶ شیخ رکن الدین گنگوہی ایک یوگی بالی ناتھ سے اسرار توحید معلوم کیا کرتے تھے۔۲۷ رزق اللہ مشتاقی اور میاں طہ دونوں ہندوؤں کے علوم میں ماہر تصور کئے جاتے تھے۔۲۸ ان ہی اثرات کا نتیجہ تھا کہ محمد بن تغلق نے عملی قدم اٹھاتے ہوئے نہ صرف ہندوؤں کو بلکہ برنی کی زبان میں کم اصل، رذیل وپیشہ ور مگر باصلاحیت افراد کو اعلیٰ عہدوں سے نوازا۔ حقیقت یہ تھی کہ مسلمان ہندوستان میں تعداد میں قلیل مگر سیاسی اقتدار کے مالک تھے۔ مسلمان واسلام کی عظیم الشان تہذیب وروایات اور ہندوستانی تہذیب وتمدن کا ایک آمیزہ تیار ہورہا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ عراق وعرب، ایران وتوران کے علماء، فضلاء، صوفیاء، شعرا کی آمد جارہی تھی جن کے باہم اشتراک سے ایک نیا معاشرے جنم لے رہا تھا۔

صوفیاء کرام کا طرز عمل اور مسلک ''صلح کل'' تھا ہر مذہب ومسلک کے افراد کے لئے ان کی

۲۰۔ فوائد الفواد ص۔ ۲۳۲۔ ۲۱۔ مکتوبات شیخ عبد القدوس گنگوہی ص۔ ۲۰۵ منقول از سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ص۔ ۴۲۹،
۲۲۔ نظامی منیری خوام حسن نظامی ۳۰، ۲۳۔ مرور الصدور ورق ص۔ ۸۳۵، ۲۴۔ جوامع الکلم ص ۱۱۹
۲۵۔ جوامع الکلم ص ۱۱۹، ۲۶۔ در نظامی مولانا محمد بن چاندلہ مترجم حسین علی نظامی مطبوعہ ۱۹۳۵۔ ص ۱۴۱،
۲۷۔ لطائف قدوسی ص۔ ۷۴، ۲۸۔ واقعات مشتاق ص۔ ۱۳۳

خانقاہوں کے دروازے کھلے تھے اس لئے ان کی خانقاہوں میں میٹھا چاول وکھچڑا پکایا جاتا تھا۔ ان کے یہاں ہندو مسلم شیعہ سنی کی کوئی تفریق نہ تھی۔ ان کا مسلک انسان دوستی تھا۔ ان کی یہ روش نہ تو کسی وقتی مصلحت کا نتیجہ تھی اور نہ کسی سیاسی دباؤ کی وجہ سے تھی بلکہ الخلق عیال اللہ کے پیش نظر تھی۔ صوفیاء نے ہندوستان میں حادثہ کربلا کو لے کر عزاداری کی روایت کو پروان چڑھایا۔ عزاداری کی ان مجالس میں شیعہ کے ساتھ ساتھ سنی وہندو حضرات بھی شریک ہوتے اور مرثیہ لکھتے۔ کربلا کے سپاہیوں کی یاد میں ہندو حضرات بھی دسویں محرم کو سبیل لگانے کا اہتمام کرتے۔ صوفیاء کے ایسے ہی طرز عمل کی بنیاد پر عہد اکبری کے عالم قاضی نوراللہ شوستری نے اپنی تصنیف مجالس المومنین میں تمام صوفیاء کا مذہب شیعیت قرار دیا ہے۔ کشمیر میں اسلام کے سب سے بڑے مبلغ میر سید علی ہمدانی کی تحریروں کی بنیاد پر ان کا مذہب طے کرنا کافی مشکل امر ہے۔ ہندوستان میں ان کی اولاد شیعہ اور سنی دونوں مذاہب کی پیروکار ہے۔ اس لئے فکر وعمل کی یکسانیت اور یگانگت کا صحیح اندازہ تصوف کے میدان میں لگایا جاسکتا ہے۔

ہندوستان میں سہروردی سلسلے کے صوفیاء نے عوام وطبقہ امراء سے تعلقات رکھے اور سلوک وتصوف میں تصانیف اور درس وتدریس پر زیادہ توجہ مرکوز کی جس کی وجہ سے وہ ایک عوامی سلسلہ نہ بن سکا۔ نقشبندیہ صوفیاء نے ذکر وفکر کے ساتھ مریدین کی تربیت پر زور دیا تاکہ قلب وروح کی صفائی ہوسکے مگر یہ وعظ وپند اور اصلاح واحتساب کی حد تک رہا ہے۔ ان صوفیاء نے بھی امراء وعوام دونوں سے تعلقات رکھے۔ چستی صوفیاء نے صالح اعمال پر زور دیا اس لئے انہوں نے کتابی علم کو ضروری سمجھا۔ اخلاق کی درستی اور مریدین کی تربیت کے لئے جماعت خانے تعمیر کئے لیکن امراء وسلاطین سے تعلق نہ رکھا۔ ان کے ذریعہ جاگیروں اور منصب کی پیشکش کو ہمیشہ قبول کرنے سے انکار کیا۔ خدمت خلق کے لئے اپنے تربیت یافتہ مریدوں کو خلافت دے کر مرکزی علاقوں میں بھیجا تاکہ عوام سے ہر حال میں گہرا اور سیدھا رشتہ بنایا جاسکے۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ عوام کی سماجی زندگی سے مکمل واقفیت ہو ان کے فکر ورجحان کا صحیح اندازہ اور زبان کا علم ہو اس لئے ان کی زبان سے مکمل واقفیت ضروری تھی۔ گروگرنتھ میں موجود بابا فرید کا عارفانہ کلام جس میں تصوف کے لطیف مسائل کو بیان کیا گیا پنجابی زبان میں ہیں جو اس علاقے کی عوامی زبان تھی۔

صوفیاء کے اعمال ومجاہدات میں یوگا سے بھرپور فائدہ حضرت شیخ محمد غوث گوالیاری نے اٹھایا

جنہوں نے سنسکرت کی کتاب ''امرکنڈا'' کا ترجمہ فارسی میں ''بحرالحیات'' کے نام سے کیا اس میں یوگا کے اُن اعمال کا ذکر ہے جس کے ذریعہ جسم پر روحانی فتح حاصل کی جاسکتی ہے۔ حضرت شاہ عضلا الدین امروہوی نے ایودھیا میں رہ کر سنسکرت کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی۲۹۔ دار اشکوہ نے اسلامی فکر اور ہندوستانی فلسفے کی مشترکہ باتوں کو بڑے دلنشیں انداز میں مجمع البحرین'' میں بیان کیا۔ اس نے سر اکبر کے نام سے ۵۲۔ اپنیشدوں کا سنسکرت سے فارسی ترجمہ کیا۔

جہاں تک اسلامی تصوف اور ہندو فلسفے کی فکری ہم آہنگی کا سوال ہے تو ویدوں اور اپنشیدوں کے مطالعہ سے اس کی وضاحت ہوجاتی ہے۔۳۰ اپنشید کے لغوی معنی کسی کے پاس باادب بیٹھنا ہے۔ تصوف میں اس کو ارادت کہا جاتا ہے۔اپنیشد میں خدا کو'' ایکم ادویتم'' کہا ہے ۔لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا بھی یہی مفہوم ہے۔ اپنیشد کے مطابق خدا ستیہ ستیم'' (حقیقت الحقائق) ہے۔ جیوتشم جیوتش (نورٌ علیٰ نور) ہے قرآن نے اس کو یوں کہا کہ'' اَللّٰہُ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرضِ اور مثل نور المشکوٰۃ فیھا مصباح۔' اپنیشد کے مطابق وہ ظاہر بھی ہے باطن بھی ہے۔ زمان ومکان اور علت ومعلول کی بندشوں سے آزاد۔قرآن نے کہا'' ھو الاول ھوالآخر ھو الظاھر الباطن۔ اپنیشد کہتے ہیں خدا'' سرو ویاپی'' (محیط کل) ہے'' انتریامی'' (بھیدوں کا جاننے والا) ہے قرآن کہتا ہے'' یَعلَمُ ما بَینَ أَیدِیھِم وَماخَلفَھُم اور وَاللّٰہُ مِن وَرَآئِھِم مُّحِیطُ۔'' اپنشد کے مطابق اسے آنکھ سے نہیں دیکھا جاسکتا ہے۔ قرآن بھی یہی کہتا ہے۔'' لَاتُدرِکُہُ الْاَبْصَارُ وَھُوَ یُدرِکُ الْاَبْصَارَ (اسے آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں (البتہ) وہ آنکھوں کو دیکھتا ہے)

ویراگ اور سنیاس بہترین طرز حیات ہے۔ صوفیاء نے ترک کا فلسفہ دیا کہ دنیا میں مسافر کی طرح رہو اور دنیا کی لذتوں میں گرفتار نہ ہوجاؤ۔ صوفیاء کے نزدیک حقیقی توحید ماسوء اللہ کا ترک کرنا ہے۔ کیونکہ خدا کی محبت کے ساتھ کسی دوسری چیز کی محبت دل میں نہیں رہ سکتی۔ اپنیشد کہتے ہیں کہ انسان کے حقیقی دشمن نفس امارہ خواہشات نفسانی غضب (کرودھ) حرص لالچ، گھمنڈ ہیں جو ان پر قابو پالے اسے نفس مطمئنہ حاصل ہوجاتا ہے پھر اسے ہر چیز میں خدا کا جلوہ نظر آتا ہے وہ کسی سے

۲۹۔تصوف اور ہندوستانی معاشرہ ص۔ ۴۲۔۴۱،

۳۰۔تفصیل کے لئے دیکھئے نثار احمد فاروقی کا مضمون بعنوان تصوف اور ویدانت مشترک قدریں منقول از تصوف اور ہندوستانی معاشرہ جرنل

ا۔ مرتبہ پروفیسر یں بمبئی والا۔ احمد آباد ۱۹۹۸ء ص۔ ۳۹

نفرت نہیں کرتا بلکہ دوسروں کی خدمت کے لئے جیتا ہے۔ اپنیشد کے مطابق دھرم کی روح یہ جاننا ہے کہ ایشور میرے اندر جلوہ گر ہے۔ صوفیاء نے اس بات کو من عرف نفسه فقد عرف ربه۔(جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا کے ذریعہ ثابت کیا۔

اپنیشد کی تعلیمات کا خلاصہ سب سے پریم ومحبت اور دلی کینہ کپٹ، نفرت اور دشمنی سے پاک ہوجائے۔ تصوف کی تعلیمات کا خلاصہ بھی یہی ہے۔ اسی لئے صوفیاء نے کہاالخلق عیال اللہ۔ جو کوئی اللہ کی محبت کا دعویٰ کرتا ہے اور اس کی مخلوق سے نفرت کرتا ہے تو وہ اپنے دعوے میں جھوٹا ہے۔

مندرجہ بالا مطالعہ کا حاصل ہندو مسلم اختلاط کا لازمی نتیجہ تھا کہ دونوں ایک دوسرے کے دین ومذہب کا مکمل علم رکھیں چنانچہ جب تقابلی ومعروضی مطالعہ وتحقیق ہوئی تو مندرجہ بالا حقائق سامنے آئے جس نے لوگوں کی فکر ورائے کو ایک نئی جہت دی جس کا اظہار مرزا مظہر جان جاناں نے اپنے مکتوب میں یوں کیا۔

''جاننا چاہئے کہ اہل ہند کی قدیم کتابوں سے جو کچھ معلوم ہوا ہے وہ یہ ہے کہ نوع انسانی کی پیدائش کے آغاز میں رحمت الٰہی نے ان کی دنیا اور عاقبت کی اصلاح کے لئے وید (بید) نامی ایک کتاب برہما نام کے ایک فرشتے کے ذریعہ بھیجی تھی جو دنیا کی ایجاد کا وسیلہ ہے۔ یہ کتاب چار دفتروں پر مشتمل ہے اور احکام امر ونہی اور ماضی ومستقبل کی خبریں اس میں درج ہیں اس کے مجتہدوں نے اس میں چھ مذاہب نکالے ہیں اور اصول عقائد کی بنیاد اس پر رکھی ہے اور اسے دھرم شاستر کا نام دیا ہے۔ یعنی فنی ایمائیات جو علم کلام ہی ہے۔ نوع انسانی کو چار فرقوں میں تقسیم کیا ہے اس کتاب سے چار مسلک نکلے ہیں۔ ہر فرقے کے لئے ایک مسلک مقرر کیا ہے اور فروعی اعمال کی بنیاد اس پر رکھی ہے۔ اسے انھوں نے کرم شاستر کا نام دیا ہے یعنی فن عملیات جسے ہم علم فقہ کہتے ہیں۔[۳۱] مرزا مظہر آگے لکھتے ہیں'' کسی کو قطعی دلیل کے بغیر کافر کہنا آسان نہیں سمجھنا چاہئے۔ اور ان کی بت پرستی کی حقیقت یہ ہے کہ بعض فرشتے جو اللہ کے حکم سے اس عالم کون وفساد میں تصرف رکھتے ہیں یا بعض کاملوں کی روحیں جو اجسام سے ترک تعلق کے بعد بھی اس دنیا میں تصرف رکھتی ہیں یا بعض زندہ حضرات جو ان کے خیال کے مطابق حضرت خضر علیہ السلام کی طرح زندہ جاوید ہیں، ان کے بت بنا کر ان کی طرف متوجہ رہتے ہیں اس توجہ کے سبب کچھ مدت کے بعد صاحب صورت سے تعلق پیدا

۳۱۔ مقامات مظہری ص۔ ۴۹۴، مکتوب نمبر ص۔ ۱۴ رئیس کفار ہند کا بیان

کر لیتے ہیں اس کی بنیاد پر دنیا و عاقبت کے تعلق سے اپنی حاجتیں پوری کر لیتے ہیں۔ یہ عملی ذکر رابطہ سے مشابہت رکھتا ہے جو مسلمان صوفیاء کا معمول ہے کہ وہ اپنے پیر کی صورت کا تصور کرتے ہیں اور اس سے فیض یاب ہوتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ مسلمان اپنے شیخ کا بت نہیں بناتے ہیں لیکن ہندوستان میں کفار عرب کے عقیدہ سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ وہ تو بتوں کو اپنی ذات میں موثر اور متصرف کہتے ہیں۔ اور اللہ کے تصرف کا آلہ نہیں سمجھتے اور انہیں زمین کا خدا جانتے تھے۔ اور خدائے تعالیٰ کو آسمان کو جو الوہیت میں شرک ہے۔ ۳۲

'' پس معلوم ہوا کہ یہ مقبول (پسندیدہ) دین تھا جو اب منسوخ ہوگیا اور شرع میں سوائے یہود و نصاریٰ کے دین کے منسوخ ہونے کے علاوہ کسی کا ذکر نہیں ہے۔ حالانکہ ان کے علاوہ بھی بہت سے دین منسوخ ہوئے اور بہت سے پیدا اور ختم بھی ہوئے۔ اور جاننا چاہئے کہ آیت کریمہ کے مطابق:

وَإِن مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ۔

(اور ہر امت میں کوئی نہ کوئی خوف خدا دلانے والا ہوا ہے۔) ۳۳

ایک دوسری آیت میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

'' وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ'' (اور ہر امت میں ایک رسول ہوا ہے۔) ۳۴

مشہور ہے کہ خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ سلم کے تشریف لانے سے پہلے ہر قوم میں پیغمبر بھیجے گئے۔ اور ہر قوم پر صرف اپنے پیغمبر کی اطاعت واجب تھی نہ کہ دوسری قوم کے نبی کی۔ ۳۵

قرآن میں وارد ہوا ہے:

"مِنهُم مَّن قَصَصنَا عَلَيكَ وَمِنهُم مَّن لَّم نَقصُص عَلَيكَ" (سابقہ رسولوں میں سے کسی کے حالات تم سے بیان کئے اور کسی کے حالات بیان نہیں کئے) ۳۶

قرآن اکثر انبیاء کے احوال کے بیان میں خاموش ہے اس لئے ہندوستان کے انبیاء کے حق میں خاموشی بہتر ہے نہ تو ہمارے لئے ان کی پیروی کرنے والوں کے کفر و ہلاکت کا یقین لازم ہے اور نہ ہی ان کی نجات کا یقین ہمارے لئے واجب ہے صرف حسن ظن رکھنا چاہتے۔ بشرطیکہ تعصب نہ ہو۔ ۳۷

۳۲۔ مقامات مظہری ص۔ ۵۰۰،
۳۳۔ القرآن سورہ فاطر ۳۵/ ۲۴،
۳۴۔ القرآن سورہ یونس۔ ۱۰/ ۴۷
۳۵۔ مقامات مظہری ص۔ ۴۹۹،
۳۶۔ القرآن سورہ غافر ۴۰/ ۷۸،
۳۷۔ مقامات مظہری ص۔ ۵۰۰۔۴۹۹

ڈاکٹر محمد عمر، مرزا مظہر جان جاناں کے ان خیالات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں مرزا مظہر کے اس خط کے مطالعہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ دارا شکوہ کا وجود صفحہ ہستی سے بہت پہلے اٹھ چکا تھا مگر ان کی روح اب بھی کارفرما تھی۔ اور مرزا مظہر کے خیالات دارا کے خیالات کی بازگشت تھے۔ ایسا گمان ہوتا ہے کہ مرزا مظہر نے دارا شکوہ کی سر اکبر کا مطالعہ کیا ہوگا۔ کیونکہ ان کا انداز بیان اور طرز فکر وہی ہے جس کا دارا نے ''سر اکبر'' کے دیباچہ میں اظہار کیا ہے۔ اگر مرزا مظہر کے اس خط کو کردارا سے منسوب کردیا جائے تو کسی کو اس بات کا گمان بھی نہیں ہوسکتا ہے کہ یہ خط کسی اور صاحب فکر کا بھی ہوسکتا ہے۔ ۳۸؎ پروفیسر محمد مجیب بھی مرزا جان جاناں کی ہندو مسلم نظریات میں اتحاد پیدا کرنے کی خدمت کا اعتراف کرتے ہیں۔ ۳۹؎

اس تناظر میں مرزا مظہر جان جاناں کے اس مکتوب میں مذاکرہ خیالات کے تدریجی ارتقاء کا اندازہ بآسانی لگایا جاسکتا ہے مرزا مظہر کے عہد تک آتے آتے ہندو مسلم تعلقات ایک جان دو قالب کا انداز اختیار کر چکے تھے۔ یہی وہ سوچ تھی جس نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان خلیج کو پاٹنے کی کوشش کی۔ اور ایک ایسی عظیم الشان مشترکہ تہذیب وروایات کو جنم دیا جس نے ہندوستان کو ایک دھارے میں باندھ کر مستحکم ومضبوط بنایا۔ ہندو اور مسلمان کو اتحاد یگانگت کے مضبوط دھاگے میں باندھنے کی کوشش کی جو اس زمانے کے سیاسی حالات کا تقاضہ بھی تھا۔ تاکہ بکھرتے ٹوٹتے ہندوستان کو متحدہ ہندوستانی قومیت کی شکل میں بنائے رکھا جاسکے۔

واقعہ یہ ہے کہ اسلام نے حصول علم کو فرض قرار دیا۔ لیکن علم کو عملی جامہ پہنانے کے لئے مزید محنت وریاضت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی محنت وریاضت کے بعد علم کی مکمل تفسیر وتعبیر کی مثال ہمیں صوفیاء کے یہاں دیکھنے کو ملتی ہے جن کی خانقاہوں میں یہ کام انجام دیا جارہا تھا ان صوفیاء نے ہندوستان میں امن وآشتی وانسان دوستی کو اپنا مسلک بنا کر اصلاح معاشرہ کا کام انجام دیا۔ نسل انسانی کی اصلاح کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہادی عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ سلم کو مبعوث کیا تھا اسی مقصد کے لئے ہزاروں انبیاء کو دنیا کے مختلف علاقوں میں مبعوث فرمایا۔ اس آخری بعثت کے بعد اس کام کو اہلبیت رسول، صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، اولیائے کرام وصوفیائے عظام نے اپنا نصب العین بنا کر انجام دیا۔ اخوت ومساوات اور انسانیت کی مثالیں قائم کیں۔

۳۸۔ ڈاکٹر محمد عمر ہندو تہذیب اور مسلمان برہان دہلی جون ۱۹۶۸۔ ص۔ ۳۸۱، اس قسم کے خیالات، اظہار اطہر عباس رضوی نے بھی کیا ہے دیکھئے۔ Rizvi SAA: Shah Wali- Allah andAstralia1980 P,332. ۳۹۔ M. Miyceb: The Indlan - London1967